جناب شبیر احمد خاں غوری

میر سید شریف جرجانی

(۲)

میر سید شریف کا زمانہ

میر سید شریف ۷۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۸۱۶ھ میں وفات پائی۔

یہ پون صدی کی مدت ایران کی تاریخ میں انتہائی پُر آشوب زمانہ ہے۔ تاتاریوں کی چیرہ دستیوں کا عہد ختم ہو چکا تھا اور اس کی جگہ طوائف الملوکی اور سیاسی انتشار و پراگندگی نے لے لی تھی جس کا انجام تیمور کی قیامت خیزیوں پر ہوا۔ ان قیامت خیزیوں سے ایران ہی لرزہ براندام نہیں تھا۔ اس کے زلزلوں نے روم اور مصر کو بھی متاثر کیے بغیر نہ چھوڑا۔

بااین ہمہ اس عہد کی دنیائے اسلام میں علم و فضل کا بھی دور دورہ تھا۔ "شرح مواقف" اور "شرح مقاصد" اسی زمانہ میں لکھی گئیں جو علم کلام کے شاہکار ہیں۔ سلاطین روزگار کی سرگرمیاں ملک گیری و کشور کشائی ہی تک محدود نہیں تھیں۔ میدان کارزار میں خوں ریزی و قتل و غارت سے جو وقت بچتا تھا، اسے علم و ادب کی سرپرستی اور اہل کمال کی تربیت میں صرف کرنے سے کوئی دریغ نہ کیا جاتا۔ اُدھر اہل علم کا طبقہ سیاسی تقلبات سے بے نیاز ہو کر علم و ہنر کی ترقی میں مصروف تھا۔

اس طرح یہ عہد اسلام کی علمی تاریخ کے دلچسپ اور قابل ذکر ادوار میں سے ہے۔

اسی عہد میں میر سید شریف کا بلوغ ہوا جس کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے۔

"فضائے جرجان بل تمام جہان را بیمن مقدم شریف مشرف گردانید"

اس لیے مستحسن معلوم ہوتا ہے کہ میر سید شریف کے تذکرہ سے قبل اس علمی ماحول کا مختصر بیان کر دیا جائے جس میں انھوں نے آنکھ کھولی اور پروان چڑھے۔

اس زمانہ میں علم و ادب کا چرچا دہلی سے قاہرہ تک بلکہ بنگال سے اسپین تک پھیلا ہوا تھا۔

لگر چونکہ میر سید شریف جرجان میں پیدا ہوئے اور وہیں ابتدائی تعلیم پائی۔ ایران میں رہے۔ غالباً ہرات گئے۔ زاں بعد روم اور مصر گئے۔ پھر شیراز واپس آئے جہاں سے تیمور انھیں اپنے دربار کی زینت کے لیے ماوراء النہر لے گیا۔ آخر میں اس کی وفات کے بعد پھر شیراز چلے آئے جہاں ۸۱۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس لیے سطور ذیل میں خصوصیت سے ایران (شیراز)، ہرات اور روم و مصر کے علمی کوائف کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

(۱) ایران

تاتاریوں کی چیرہ دستی سے ساتویں صدی ہجری کے وسط (۶۵۶ھ) میں عباسیوں کے قصر خلافت کے انہدام کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافت پر بھی قیامت صغریٰ گزر گئی، جس سے متاثر ہو کر شیخ سعدی نے لکھا تھا:

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں　　بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین

مگر جلد ہی بقول اقبال ؒ

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

خود ہلاکو نے جو اس خونی ڈرامہ کا ہیرو ہے، محقق طوسی کی تربیت کی اور مراغہ کی رصدگاہ تعمیر کرائی۔ دیگر علمائے مشاہیر میں نجم الدین دبیران قزوینی (مصنف شمسیہ و حکمۃ العین) موید الدین عرضی، فخر الدین مراغی، محی الدین اخلاطی اور محی الدین مغربی تھے۔ مگر ساتویں صدی کے عبقری اعظم محقق طوسی ہی تھے۔ ان کی ذات میں اسلامی فکر کے چاروں دھارے (یعنی کلام و تصوف اور فلسفہ مشائیت و اشراق) آکر مل گئے تھے۔ فلسفہ میں وہ پانچ واسطوں سے شیخ بو علی سینا کے شاگرد تھے۔ ان کے نفس گرم کی تاثیر سے فلسفہ کی بوسیدہ عمارت کی جو متکلمین کے بے پناہ اعتراضات کے صدموں سے قریب الانہدام تھی، تجدید ہوئی۔ (اس کا اشارہ المعارف جون ۱۹۶۸ صفحہ ۲۷ پر کیا جا چکا ہے۔ مزید تفصیل میر سید شریف جرجانی کے اساتذہ کے سلسلے میں آگے آرہی ہے)

محقق طوسی کے بعد علوم عقلیہ کی ریاست علامہ قطب الدین شیرازی کے حصہ میں آئی جو محقق طوسی ہی کے شاگرد تھے۔ قطب الدین شیرازی کے شاگرد مولانا قطب الدین رازی (شارح شمسیہ یا مصنف قطبی نیز

شارح مطالع الانوار) بتائے جاتے ہیں۔

محقق طوسی کے متاخر معاصر اور علامہ قطب الدین شیرازی کے ہم عصر قاضی ناصر الدین بیضاوی تھے، جن کی "تفسیر بیضاوی" آج بھی ہمارے یہاں درس میں داخل ہے۔ "تفسیر بیضاوی (جس کا پورا نام انوار التنزیل واسرار التاویل ہے) کے علاوہ انھوں نے اصول فقہ میں "منہاج الاصو" اور کلام میں "طوالع الانوار" لکھی جن کے ساتھ بعد کے علما نے غیر معمولی اعتنا کیا۔

بہرحال ہرچند کہ تاتاریوں کی بربریت و ثقافت بیزاری نے اسلام اور اسلامی ثقافت کو مٹانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، مگر اس دین میں صرصر حوادث کے تھپیڑے کھا کھا کر بھی زندہ رہنے کی غیر معمولی صلاحیت ہے اور ابھی ساتویں صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ ہلاکو کی اولاد نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ چنانچہ آٹھویں صدی ہجری کے آغاز سے ایلخانی تخت پر غازان (۶۹۴-۷۰۳ھ) کو متمکن پایا جو توفیق ایزدی کی رہنمونی اور امیر نوروز کی ترغیب سے مشرف باسلام ہو چکا تھا۔ غازان کے بعد اس کا بھائی اولجائتو سلطان اور مؤخر الذکی وفات پر اس کا بیٹا تخت نشین ہوا۔

ابو سعید نے ۷۳۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے مرنے پر کم و بیش چالیس سال طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا، تاآنکہ ایک مرتبہ پھر تیمور لنگ (۷۷۱-۸۰۷ھ) نے اپنے زور بازو سے پورے ایران اور ماوراء النہر کو فتح کر کے ایک منظم اور متحد سلطنت قائم کر لی۔

میر سید شریف اسی طوائف الملوکی کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور اسی زمانہ میں انھوں نے اپنی تعلیم مکمل کی۔ اس لیے ان کی علمی زندگی کو اس کے صحیح پس منظر میں سمجھنے کے لیے اس علمی ماحول کو نظر میں رکھنا ضروری ہے اور اس علمی ماحول کی تشکیل میں ایلخانی عہد کی علمی روایات نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس لیے ان پر ایک طائرانہ نگاہ ڈال لینا مستحسن ہے۔

اسلام کے اثر اور مسلمان وزرا کی صحبت نے تاتاریوں کی ثقافت بیزاری کی بہت کچھ تعدیل کر دی۔ ہلاکو کے عہد کے مشاہیر علما کے اسامی اوپر ثبت ہو چکے ہیں۔ اس کے جانشین اباقاآن (۶۶۳-۶۸۰ھ) کا عہد مولانا روم، شیخ صدر الدین قونوی، اوحد الدین کرمانی اور قطب الدین شیرازی کے عروج کا زمانہ ہے۔ اباقاآن کے بعد احمد تکودار اور پھر ارغون بادشاہ ہوئے۔ ان کے زمانہ میں رضی الدین شاطبی، قاضی ناصر الدین بیضاوی، جمال الدین محمد بن سلیمان مقدسی اور نجم الدین زرکوب مشاہیر فضلا میں سے تھے۔ ارغون کے بعد پہلے

گیخاتو اور پھر بائدو بادشاہ ہوئے۔ بائدو کے بعد غازان تخت نشین ہوا۔ اس نے بہت سے مدارس اور خانقاہیں تعمیر کرائیں۔ نیز رصدگاہ کی بھی مرمت کرائی۔ چنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے اس کی ان مساعی کے بارے میں لکھا ہے:

"غازان خاں ..... دیگر بقاع نقاع تعمیر نمود، بدیں موجب: مسجد جامع، مدرسہ شافعیہ، مدرسہ حنفیہ، خانقاہ، دار السیادۃ، رصدخانہ، دار الشفا، بیت الکتب، بیت القانون ..... و در ہر یک از مدرسہ شافعیہ و حنفیہ مدرسان و معیدان و طلبہ و خادمان و در خانقاہ شیخ و پیش نماز و باورچی و خادم و در دار السیادۃ نقیب و خدام و باورچی کہ جہت سادات آیندہ و روندہ طبخ نماید و در رصدخانہ مدرسے کہ درس علوم حکمی تواند گفت و معید و طلبہ و فراش۔ و در دار الشفا طبیب و کحال و جراح و باورچی و فراش و تیماردار و در بیت الحکمۃ خازن و فراش و در بیت القانون کاتب و خازن و فراش ..... تعین کردہ، مجموع ارباب وظیفہ و عملہ را بوظائف گراں مند نوازش نمود۔"

اولجائیتو سلطان (۷۰۳-۷۱۶ھ) کی علمی و ثقافتی سرپرستیوں کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" لکھتے ہیں:

"در سن بست و سہ سالگی بر تخت سلطنت نشست و در تشیید قواعد اسلام و تمہید مبانی ملت خیر الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام ابواب سعی و اجتہاد گشاد۔"

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"باہتمام اولجائیتو سلطان در سلطانیہ مساجد و خوانق و دار القراۃ و دار الحدیث و دار السیادۃ و مدرسہ بتکلف ساختہ پرداختہ آمد۔ و در آں بقعۂ شریفہ شانزدہ مدرس و معید و دویست طالب علم موظف بودند۔"

اولجائیتو سلطان کی علمی سرپرستی کا یہ عالم تھا کہ اس نے سنگ و خشت کے مدارس کے علاوہ ایک سفری مدرسہ بھی بنوایا تھا جو خیموں کے اندر لگتا تھا اور ہمیشہ سفر میں اس کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ صاحب "حبیب السیر" لکھتے ہیں:

"چوں سلطان محمد بصحبت علما و مباحثہ مسائل شرعیہ بغایت مائل بود، در ایام دولت خود فرماں فرمود تا بطرح مدرسہ از کرباس چہار ایوان و خانہا ترتیب دادند۔ و در اسفار آں را ہمراہ خویش می گردانید و مولانا بدر الدین تستری و مولانا عضد الدین ایجی از جملہ دانشمندانے کہ در مدرسہ کرباس مدرس بودہ اند و پیوستہ قریب صد طالب علم دراں مدرسہ اقامت داشتند و ماکول و ملبوس و فرش لازم و سایر مایحتاج ایشاں را نواب دیوان اعلیٰ سرانجام می نمودند۔" (حبیب السیر، جلد سوم جزء اول، ص ۱۱۲)

اولجائیتو سلطان کے عہد کے مشاہیر علما میں شیخ جمال الدین مطہر حلی، شیخ عبدالرحمٰن خراسانی، مولانا قطب الدین محمود، شہاب الدین عبداللہ شیرازی، ابوسلیمان فخر الدین داؤد بناکتی، محمد بن اسعد بن عبداللہ الحنفی، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ شیخ جمال الدین مطہر حلی ہی کے مشورے سے اولجائیتو سلطان نے شیعی مذہب اختیار کیا تھا۔ وہ متعدد تصانیف کے مصنف تھے جن میں "شرح تجرید محقق طوسی" سب سے زیادہ مشہور ہے اور آج کے دن تک شیعی مدارس کے اعلیٰ نصاب میں داخل ہے۔ شہاب الدین عبداللہ شیرازی "تاریخ وصاف" کے اور فخر الدین داؤد بناکتی "تاریخ بناکتی" کے مصنف تھے۔ قطب الدین محمود کو صاحب "حبیب السیر" نے علامہ قطب الدین مسعود شیرازی کا فرزند ارجمند بتایا ہے اور ان کی تاریخ وفات ۷۱۰ھ لکھی ہے۔ یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ۷۱۰ھ خود قطب الدین مسعود شیرازی کا سال وفات ہے۔

ابوسعید ایلخانی کے عہد کے مشاہیر علما میں قاضی عضد الدین ایجی اور مولانا قطب الدین رازی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ قاضی عضد کے بارے میں ابن حجر عسقلانی نے "الدرر الکامنہ" میں لکھا ہے:

وکانت اکثر اقامتہ بالسلطانیہ	قاضی عضد کا قیام زیادہ تر شہر سلطانیہ میں رہتا تھا جو ابوسعید کا پایہ تخت تھا۔

ان دونوں بزرگوں کا ذکر پیچھے آچکا ہے (المعارف جون ۱۹۶۸، ص ۲۳ و ۲۸)۔ مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ابوسعید کی وفات پر جو طوائف الملوکی شروع ہوئی، اس کے نتیجے میں متعدد چھوٹی چھوٹی خودمختار حکومتیں وجود میں آئیں۔ ان میں چار اہم تھیں، بغداد میں جلائر، شیراز میں پہلے انجو اور پھر آل مظفر، ہرات میں آل کرت اور سبزوار میں سربدار۔ ان میں دو سلطنتوں کی علمی سرگرمی قابل ذکر ہے: شیراز کی، جہاں میر سید شریف نے اپنی علمی و تدریسی زندگی کا آغاز کیا اور ہرات کی جو عرصہ تک قبۃ الاسلام بنا رہا۔

ابوسعید کی وفات پر مرکز ثقافت سلطانیہ (تبریز) سے شیراز میں منتقل ہو گیا، جہاں شیخ ابو اسحاق انجو بلطائف الحیل ۷۴۲ھ میں متمکن ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کرمان فتح کرنے کی ناکام کوشش کی۔ بعد میں والی کرمان سے مصالحت ہو گئی۔ مگر شیخ ابو اسحاق نے وعدہ خلافی کی۔ اس لیے ۷۵۴ھ میں امیر مظفر الدین محمد نے شیراز پر حملہ کیا۔ ابو اسحاق نے قاضی عضد کو تجدید صلح کے لیے بھیجا۔ مگر امیر مبارز الدین مظفر ابو اسحاق کی وعدہ خلافیوں سے تنگ آچکا تھا، اس لیے سفارت ناکام رہی اور آخر سال میں مبارز الدین محمد نے شیراز فتح کر لیا۔ ابو اسحاق بھاگ کر اصفہان پہنچا۔ مگر امیر مظفر نے یہاں بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور سال آئندہ

اس نے اصفہان پر حملہ کیا۔ آخر کار ۷۵۷ھ میں اسے فتح کر کے ابو اسحاق کو گرفتار کر لیا اور اگلے رسال اسے قتل کرا دیا۔ خواجہ حافظ کہتے ہیں :

راستی خاتم فیروزہ بو اسحاقی — خوش درخشید ولے دولت مستعجل بود

امور سلطنت کے بارے میں شیخ ابو اسحاق کا کردار جیسا بھی رہا ہو، علم و فضل کی سرپرستی کے لیے اس کا نام آج بھی مشہور ہے۔ چنانچہ جب سلطان محمد تغلق نے مولانا معین الدین عمرانی کو شیراز قاضی عضد کے بلانے کے لیے بھیجا اور ابو اسحاق کو معلوم ہوا تو وہ قاضی صاحب کے پاس پہنچا اور کہا کہ سوائے میری بیوی کے ہر چیز آپ کی ہے، حتیٰ کہ تخت سلطنت بھی۔ آپ حکومت کریں، مگر یہاں سے تشریف نہ لے جائیں۔ ایسے علم دوست اور ہنر پرور بادشاہ کی اس درخواست سے قاضی عضد کس طرح متاثر ہوئے بغیر رہ سکتے تھے چنانچہ انھوں نے ہندوستان جانے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔ مزید تفصیل آئندہ آئے گی۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا قاضی عضد کا آخری زمانہ دربار ابو اسحاق کی زینت افزائی ہی میں بسر ہوا۔ چنانچہ خواجہ حافظ نے انھیں ابو اسحاق کے دربار کے "پانچ رتن" میں محسوب کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

بعہد سلطنت شاہ شیخ ابو اسحاق — بہ پنج شخص عجب ملک فارس بود آباد

نخست پادشہے ہمچو او ولایت بخش — کہ جان خویش بپرورد و داد عیش بداد

دگر مربی اسلام شیخ مجد الدین — کہ قاضے بہ از و آسمان ندارد یاد

دگر بقیہ ابدال شیخ امین الدین — کہ یمن ہمت او کارہائے بستہ کشاد

دگر شہنشہ دانش عضد کہ در تصنیف — بنائے کار "مواقف" بنام شاہ نہاد

دگر قویم چو حاجی قوام دریا دل — کہ نام نیک ببرد از جہان بہ بخشش و داد

نظیر خویش نہ بگزاشتند و بگزشتند — خدائے عز و جل جملہ را بیامرزاد

مگر آج نہ ابو اسحاق کو کوئی جانتا ہے نہ اس کے اور درباریوں کو۔ اگر دنیائے علم و حکمت جانتی ہے تو "المواقف" کو اور اس کے مصنف قاضی عضد کو۔ ابو اسحاق کے احسان عمیم نے قاضی عضد الدین ایجی پر جس زر و مال کی بارش کی، اگر نہ کرتا تو وہ فوج حریف کی دستبرد میں غارت ہو جاتا۔ مگر قاضی عضد نے اس چند روزہ احسان کے عوض میں اس کے نام پر "المواقف" کو معنون کر کے غیر فانی بنا دیا ہے۔ آج بھی جو طالب علم یا شائق علم "شرح المواقف" پڑھتا ہے، وہ بدیدۂ بیدار اس کے ذکر جمیل کو ضرور پڑھ

لیتا ہے:

"من لا یوازن ولا یوازی وغنی من ان یباھی واجل من ان یباھی- وھو اعظم من ملک البلاد وساس العباد شاناً واعلاھم منزلاً ومکاناً واندھم راحۃ وبناناً واشجعھم جاشاً وجناناً واقواھم دیناً وایماناً واروعھم سیفاً وسناناً وابسطھم ملکاً وسلطاناً واشملھم عدلاً واحساناً واعزھم انصاراً واعواناً واجمعھم للفضائل النفسیۃ واولاھم بالریاسۃ الانسیۃ من شید واحکم قواعد الدین بعد ان کادت تنھدم واستبقی حشاشۃ الکرم حین ارادت ان ینھدم ورفع رایات المعالی اوان ناھزت الانتکاس وجدد مکارم الشریعۃ وقد آذنت بالاندراس۔ محرز ممالک الاکاسرۃ بالارث والاستحقاق جمال الدنیا والدین ابو اسحاق لا زالت الافلاک متابعۃ لھواہ والاقدار منجذبۃ لرضاہ۔ والی اللہ ابتھل باطلق لسان وادق جنان ان یدیم ایام دولتہ ویمتعہ بما خولہ دھراً طویلاً ویوفقہ لان یکتسب بہ الالقین ذکراً جمیلاً واجراً جزیلاً وانہ علی ذالک قدیر وبالاجابۃ جدیر۔"

میں نے اسے ایسے عالی ہمت بادشاہ کے نام معنون کیا ہے جس کا اپنے شہرت وفضل کی بنا پر کسی سے مقابلہ نہیں کیا جاتا اور نہ کوئی اس کا مدمقابل ہو سکتا ہے۔ وہ اس بات سے بلند ہے کہ کسی سے مفاخرت کرے اور نہ کوئی اس کے مقابلے میں فخر و مباہات کر سکتا ہے۔ جو لوگ شہروں کے بادشاہ ہیں اور بندگان خدا کا انتظام کرتے ہیں، وہ ان سب سے باعتبار شان و شوکت بڑا ہے اور باعتبار منزلت و مکان بلند تر ہے اور سب سے زیادہ سخی اور جواد ہے اور سب سے زیادہ بہادر اور قوی دل ہے۔ دین اور ایمان کے اعتبار سے بھی وہ سب سے زیادہ قوی ہے اور اپنی شمشیر اور نیزے کے ذریعے بھی سب سے زیادہ ڈرانے والا ہے۔ اس کی مملکت سب سے زیادہ وسیع ہے اور اس کا اقتدار سب سے زیادہ پھیلا ہوا ہے۔ نیز اس کا عدل و احسان لوگوں پر سب سے زیادہ ہے۔ سب سے زیادہ اس کے مددگار ہیں اور فضائل اخلاق سب سے زیادہ اس کے اندر جمع ہیں۔ وہ انسانوں کی ریاست کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ وہ، وہ ہے جس نے بعد اس کے کہ دین کی بنیادیں انہدام کے قریب پہنچ گئی تھیں، انھیں مضبوط بنا دیا۔ اور دنیا میں جو کچھ مروت اور کرم باقی رہ گیا تھا اور وہ معدوم ہونے کے قریب تھا، اس نے اسے معدوم ہونے سے بچا لیا۔ بلندی اور بزرگی کے جھنڈے سرنگوں ہونے کے قریب پہنچ گئے تھے،

اس نے بلند کر دیے اور مکارم شریعت جب مندرس ہونے والے تھے، اس نے ان کی تجدید کر دی - وہ اکاسرۂ کی مملکت (ایران) کا صحیح اور جائز وارث اور حفاظت کرنے والا ہے - اس کا نام جمال الدنیا والدین ابو اسحٰق ہے۔ خدا کرے کہ ہمیشہ افلاک اس کی خواہش کے تابع فرمان رہیں اور اقتدار اس کی مرضی کی جویا رہیں - میں اللہ سے تضرع و زاری کے ساتھ دعا کرتا ہوں - اور بڑی طلاقت لسانی اور رقت قلب کے ساتھ آرزو مند ہوں کہ اس کی دولت کا زمانہ دائمی ہو جائے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اسے بخشا ہے اس سے دہر طویل تک متمتع فرمائے اور جب تک وہ باقی رہے اسے اپنی نعمتوں کے ساتھ ذکر جمیل اور اجر جزیل حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے - بے شک اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس دعا کو قبول فرمانے کا حق رکھتا ہے۔"

"المواقف فی الکلام" کی بہت سی شروح لکھی گئیں مگر قبول عام و بقائے دوام صرف میر سید شریف جرجانی ہی کی "شرح المواقف" کو نصیب ہوا - اس طرح ابو اسحٰق انجو کی مدح و ثنا کو غیر فانی بنانے میں میر سید شریف کی شرح و توضیح کا بڑا حصہ ہے۔

شیخ ابو اسحٰق انجو کے قتل کے بعد فارس کی حکومت امیر مبارز الدین محمد کے ہاتھوں میں آئی - مگر آخر عمر میں اس کے مزاج میں انتہائی قساوت و بے رحمی پیدا ہو گئی تھی، یہاں تک کہ خود اس کی اولاد اس سے نالاں تھی اور اسی عداوت و نفار کے نتیجے میں ۷۶۰ھ میں انھوں نے اسے تخت سے اتار کر اس کی آنکھوں میں سلائی پھیر دی - اس کے باوجود وہ اقتدار کے باز حصول کے لیے برابر کوشاں رہا، تا آنکہ اسی آرزوئے خام میں ۷۶۵ھ کے اندر داعی اجل کو لبیک کہا۔

امیر مبارز الدین کے بعد اس کا بڑا بیٹا شاہ شجاع خود شیراز کا بادشاہ ہوا اور دوسرے بھائی محمود کو اصفہان کی اور تیسرے بھائی احمد کو یزد کی حکومت دی - کچھ دن بعد دونوں بھائیوں شاہ شجاع اور محمود میں ناچاقی ہو گئی، جو دولت خواہوں کی اصلاح جانبین کی کوشش کے باوجود بڑھتی ہی گئی، تا آنکہ ۷۷۶ھ میں شاہ محمود نے وفات پائی - شاہ شجاع نے اس موقعہ پر یہ رباعی کہی :

محمود برادرم شہ شیر کمیں | می کرد خصومت ز پے تاج و نگیں
کردیم از و بخش تا بر آساید خلق | او زیر زمیں گرفت و من روئے زمیں

شاہ محمود کے بعد شاہ شجاع نے دس سال اور حکومت کی اور ۷۸۶ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا - اس زمانہ میں تیمور کے عظمت و اقتدار کا شہرہ دنیا میں پھیل چکا تھا - شاہ شجاع کو بھی مستقبل کا اچھی طرح اندازہ تھا کہ

فارس بھی جلد ہی تیمور کے قبضے میں جانے والا ہے اس لیے اس نے مرض موت میں تیمور کی طرف خط لکھا اور اپنے بیٹے اور جانشین سلطان زین العابدین کے لیے سفارش کی۔ شاہ شجاع کے بعد آل مظفر میں برادرانہ خانہ جنگی کا آغاز ہوا جو عرصہ دراز تک چلتی رہی تا آنکہ تیمور نے حملہ کر کے فارس کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا۔ اور سلطان زین العابدین کے علاوہ بقیہ افراد خاندان کو قتل کر ڈالا۔

اسی حملے میں مال غنیمت کے علاوہ تیمور میر سید شریف کو بھی اپنے دربار کی زینت کے لیے لے گیا۔ وہ بھی جانے کے لیے اخلاقی طور پر مجبور تھے، کیونکہ یہ درخواست اس شخص نے کی تھی جس نے محض میر سید شریف کی خاطر شیراز کے بے شمار باشندوں کی جان بخشی کی تھی، (اس کی تفصیل میر سید شریف کی سوانح حیات کے ضمن میں آئے گی۔)

اس سے زیادہ اہم واقعہ میر سید شریف کی شاہ شجاع کے دربار میں آمد ہے۔ وہ بھی ایک برادرانہ خانہ جنگی کے واقعہ کے ساتھ وابستہ ہے اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

شاہ شجاع کا دوسرا حریف اس کا بھتیجا شاہ یحییٰ تھا، جس کے مکائد عمر بھر چچا کے لیے وردِ سر بنے رہے۔ مگر وہ کچھ تو بپاس قرابت داری اور کچھ اس عہد و سوگند کی خاطر جو اس نے خواب میں اپنے مرحوم بھائی کے ساتھ کیے تھے کہ "تیرے خاندان کی بیخ کنی نہیں کروں گا"۔ بھتیجے کی مکاری اور غداری اور بار بار کی نیش زنی سے اغماض برتتا رہا۔

اس اثنا میں ایسا بھی ہوا کہ شاہ محمود نے لشکر بغداد کی مدد سے شاہ شجاع کو شیراز چھوڑنے پر مجبور کر دیا اور وہ کرمان پہنچا۔ لیکن کچھ دن بعد صورت حال بدل گئی اور بادشاہ پھر کرمان سے دارالسلطنت کے لیے چلا۔ کرمان کے انتظام کے لیے اس نے ایک شخص پہلوان اسد بن طغان شاہ کو جس کی دینداری و دیانتداری پر اسے بے پایاں اعتماد تھا، مقرر کیا۔ مگر بعد میں شاہ یحییٰ کے اغوا سے نیز اور لوگوں کے کہنے میں آکر جو دل میں شاہ شجاع سے بغض رکھتے تھے، پہلوان اسد نے بے وفائی کی اور علم مخالفت بلند کر بیٹھا۔ یہ فتنہ بڑی مشکل سے ۷۷۷ھ میں فرو ہوا۔

پہلوان اسد کے خزانہ سے جو خطوط دستیاب ہوئے، ان میں شاہ یحییٰ کے بھی خطوط تھے جن کے اندر اس نے پہلوان مذکور کو بے وفائی اور بغاوت کے لیے شہ دی تھی۔ یہ اور اسی طرح کی شاہ یحییٰ کی دوسری دسیسہ کاریاں اب شاہ شجاع کی قوت برداشت سے باہر ہو گئیں اور آخر کار وہ بھتیجے کی قرار واقعی گوشمالی

کے لیے روانہ ہوا۔

شاہ یحییٰ نے اس مرتبہ پھر بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے مگر کچھ نہ ہو سکا۔ شاہ شجاع اس کی اصلاح کرکے شیراز واپس ہوا۔ وہاں تین چار مہینہ قیام کیا اور پھر قصر زرد کے لیے روانہ ہوا۔ یہ ۷۷۷ھ کا قصہ ہے۔ اسی موقعہ پر میر سید شریف فارس تشریف لائے اور شاہ شجاع کے دربار میں پیش کیے گئے۔ اس کی تفصیل ان کی سوانح حیات کے ضمن میں آگے آرہی ہے۔

شاہ شجاع خود بھی حلیہ علم و فضل سے آراستہ تھا۔ چنانچہ صاحب "روضۃ الصفا" نے اس کے بارے میں لکھا ہے:

"شاہ شجاع بلطف طبع و حسن خلق و وفور فضل و زیور ادب ..... متحلی بود ..... در نہ سالگی از حفظ کلام اللہ ..... فراغت یافت و بعد ازاں بتائید ایزدی و عنایت سرمدی مفردات لغت عرب را بر صحیفۂ خاطر نگاشتہ آنگاہ بکسب دیگر فضائل و کمالات نفسانی اہتمام نمود۔ و در مبادی حال و اوائل اشتغال بہ بنیل مشکلاتے کہ از ہان منتہیان از ادراک آں قاصر بودند، مہتدی گشت۔ و از ارتقا بذروۂ علوم سینیہ و معارف یقینیہ بدرجہ رسید کہ پیوستہ فضلائے دانشور و علمائے فضل گستر کہ بمجلس ہمایونش راہ می یافتند، از لطائف خاطر قدسی صفاتش محظوظ و بہرہ مند گشتہ، زبان باستعجاب و استغراب می کشادند۔" (روضۃ الصفا، جلد چہارم، ص ۱۹۱)

اسی طرح دوسری جگہ انھوں نے اس کی علم دوستی کے بارے میں لکھا ہے:

"بہ نفس ہمایوں ملازمت مجالس علمائے کرام و فضلائے انام اختیار نمود۔ و پیش استاد البشر مولانا قوام الدین عبد اللہ فقیہ شرح مختصر ابن الحاجب کہ از مصنفات عقل حادی عشر قاضی عضد الدین بسلامت لفظ و دقت معنی اشتہار دارد، افتتاح کردہ۔" (ایضاً ص ۱۷۹)

اسی طرح صاحب "حبیب السیر" نے "شرح مختصر ابن حاجب" کے سبقاً سبقاً پڑھنے کا واقعہ مولانا قوام الدین عبد اللہ کے تذکرہ میں نقل کیا ہے:

"و از جملہ علمائے اعلام و فضلائے لازم الاحترام جناب افادت پناہ مولانا قوام الدین عبد اللہ فقیہ با شاہ شجاع معاصر بود۔ و آں پادشاہ ستودہ مآثر شرح مختصر ابن حاجب کہ قدوۃ المتاخرین قاضی عضد الدین است نزد آنجناب مطالعہ می نمود۔" (حبیب السیر جلد سوم جزو دوم ص ۳۷)

"شرح مختصر ابن حاجب" کے علاوہ جو خود قاضی عضد الایجی کی تصنیف ہے، جب قاضی صاحب

سلطان ابواسحٰق انجو کی جانب سے امیر مبارز الدین محمد کے پاس صلح کی گفت وشنید کے لیے گئے تھے تو اس نے ان سے "شرح مفصل" پڑھی تھی۔ صاحب "روضۃ الصفا" نے متعلقہ مقام پر لکھا ہے:

"چوں آوازۂ توجہ جناب مبارزی در ولایت فارس شائع گشت، امیر شیخ ابواسحٰق ..... مولانا عضد الملۃ والدین عبدالرحمٰن الایجی را کہ شرح مختصر ابن حاجب و متن مواقف بر کمالات و فضائل نفسانی او دو شاہد عدل اند..... پیش امیر مبارز الدین محمد فرستاد..... و شاہزادہ سپہر ارتفاع جلال الدین شاہ شجاع بتلمذ و قرأت شرح مفصل مشغول گشتہ از جناب مولوی بانواع فوائد مستفید شد" (روضۃ الصفا جلد چہارم ص ۱۶۵)

علماکے علاوہ اس عہد کے شعرا میں عماد فقیہ اور خواجہ حافظ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں:۔
اول الذکر سے شاہ شجاع کو بڑی عقیدت تھی۔ کہتے ہیں جب وہ نماز پڑھتے تو ان کی بلی بھی انھیں کی طرح ارکان صلوٰۃ بجالاتی تھی اور شاہ شجاع اسے ان کی کرامت پر محمول کرتا تھا۔ اسی پر چوٹ کرتے ہوئے خواجہ حافظ نے لکھا ہے:

صوفی نہاد دام و سر حقہ باز کرد — آغاز مکر با فلک حقہ باز کرد
اے کبک خوش خرام کہ خوش می روی بناز — غرہ مشو کہ گربۂ عابد نماز کرد

خواجہ حافظ کی شخصیت اپنی شہرت کی بنا پر تعارف سے مستغنی ہے۔ البتہ شاہ شجاع کو ان کی یہ طنز و تعریض بہت ناگوار گزری۔ لہذا جب اس کے سامنے خواجہ حافظ کا یہ مقطع پڑھا گیا:

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد — وائے گر از پسِ امروز بود فردائے

اور اس پر بعض تنگ نظر فقہائے قیام قیامت میں شک کا پہلو تلاش کر لیا تو خواجہ حافظ کو شاہ شجاع کی جانب سے انتقام کا اندیشہ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ مگر بعد میں مولانا زین الدین ابوبکر تایبادی کے مشورہ سے انھوں نے اس سے پہلے ایک اور شعر بڑھا دیا:

این حدیثم چہ خوش آمد کہ سحر گہ می گفت — بر در میکدۂ با دف و نئے ترسائے

اب یہ حافظ کے بجائے ایک رند لاابالی ترسا کا مقولہ بن گیا اور حافظ حاسدوں کی دسیسہ کاریوں کا شکار ہونے سے بچ گئے۔

۲۔ ہرات

ابوسعید کی وفات پر جو چھوٹی چھوٹی حکومتیں قائم ہوئیں، ان میں ہرات کے اندر آل کرت کی

سلطنت اس لیے قابل ذکر ہے کہ اس کے حیطۂ اقتدار میں وہ علاقہ (تفتازان) شامل تھا، جہاں میر سید شریف کے حریف علامہ تفتازانی پیدا ہوئے تھے اور جہاں انھوں نے (علامہ تفتازانی نے) اپنی زندگی کا بیشتر حصہ صرف کیا تھا۔

آل کرت کا سلسلہ نسب سنجر بن ملک شاہ سلجوقی تک پہنچتا ہے مگر ان کا مورث اعلیٰ جس سے ان کے پدری خاندان میں حکومت و سلطنت آئی عزالدین عمر سلطان غیاث الدین غوری کا چچیرا بھائی تھا جو اس کی جانب سے ہرات کا والی تھا۔ اس کی دین پروری اور علم دوستی کے بارے میں صاحب "روضۃ الصفا" نے لکھا ہے:

"عزالدین عمر بصفات مرضیہ و اخلاق زکیہ اتصاف داشت و بغایت فاضل و باذل و خیر بود۔ و در ایام دولت خویش مدارس و مساجد و خوانق و رباطات بنیاد نہاد۔ و در عہد او ارباب فضل و دانش مرفہ و آسودہ زندگانی می کردند۔" (روضۃ الصفا: جلد چہارم ص ۲۱۷)

اس نے اپنی جانب سے قلعہ خیسار کی تولی اپنے بھائی تاج الدین عثمان مرغنی کو دی تھی۔ تاج الدین کے مرنے پر یہ عہدہ اس کے بیٹے رکن الدین کو تفویض ہوا۔ اس کے زمانے میں تاتاریوں نے عالم اسلام کو تہ و بالا کر ڈالا۔ مگر رکن الدین نے چنگیز خاں کی ماتحتی قبول کر لی تھی۔ اس لیے ہرات تاتاریوں کی تباہ کاری سے بچ گیا۔ اس نے ۶۴۳ھ میں وفات پائی اور اس کا نواسہ ملک شمس الدین محمد اس کا جانشین ہوا۔

ملک شمس الدین محمد نے بھی نانا کی روش جاری رکھی اور منگو قاآن نے جو اس وقت ایلخانی تخت پر متمکن تھا، اسے منصب قدیم پر بحال رکھا۔ منگو قاآن کے بعد ہلاکو اور اباقاآن سے بھی اس کے تعلقات دوستانہ رہے، مگر بعد میں دراندازوں نے اباقاآن کا مزاج اس کی طرف سے مکدر کر دیا۔ اباقاآن نے ۶۷۴ھ میں بلطائف الحیل اسے دربار میں بلا کر قید کر دیا اور اس نے قید ہی میں وفات پائی (۶۷۶ھ)۔ سال بھر بعد اباقاآن نے شمس الدین محمد کے بیٹے رکن الدین کو باپ کے لقب سے ملقب کر کے ہرات کا پروانہ حکومت عطا کیا اور اس نے ۷۰۵ھ تک شمس الدین کہین کے نام سے حکومت کی۔ اسی کے زمانہ میں ملک فخر الدین والی ہوا۔ شروع میں وہ غازان خاں اور اس کے مقرب خاص امیر نوروز کا منظور نظر رہا۔ مگر بعد میں فخر الدین نے امیر نوروز کے ساتھ بے وفائی کی۔ آخر میں غازان کے جانشین اولجائیتو سلطان کے ساتھ بھی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے۔ اولجائیتو نے اس کی تادیب کے لیے دانشمند بہادر کو بھیجا۔ مگر جمال الدین محمد سام نے

اسے قلعہ میں بلا کر قتل کر ڈالا (۷۰۶ھ)۔ اولجائیتو کو معلوم ہوا تو اس نے دانش مند بہادر کے بیٹے بوجائی کی قیادت میں ایک لشکر جرار روانہ کیا جس نے باوجود عہد و پیمان جمال الدین کو قتل کر ڈالا۔

اگلے سال اولجائیتو سلطان نے فخر الدین (جس کا ۷۰۶ھ میں انتقال ہو چکا تھا) کے بھائی ملک غیاث الدین کو ہرات کا پروانۂ حکومت عطا کر کے اسے اس جانب بھیجا۔ اس نے ۷۲۹ھ تک حکومت کی۔ اس کا زمانہ حکومت بھی تاتاریوں کی تلون مزاجی کی نازبرداریوں میں گزرا۔ چونکہ غیاث الدین کو بھائی کی طرف سے پیہم مصیبتیں اٹھانا پڑی تھیں۔ اس لیے اسے ۷۰۷ھ میں ہرات کی حکومت دے کر بھیجا گیا تھا۔ مگر اس کی ایالت امرائے خراسان کو ناگوار گزری اور انھوں نے اسے مخالفت و عناد کے ساتھ متہم کرنا شروع کیا۔ لہذا اولجائیتو کے یہاں اس کی طلبی ہوئی اور جب اس کی بے گناہی ثابت ہو گئی تو ۷۱۵ھ میں واپسی کی اجازت ملی۔ اگلے سال اولجائیتو کی وفات پر ابوسعید تخت نشین ہوا۔ اس کے عہد سلطنت میں امیر چوپان نے ابوسعید سے بغاوت کی اور غیاث الدین کے یہاں پناہ لی۔ مگر آخر کار ۷۲۷ھ میں ابوسعید کے حکم سے اسے قتل کر دیا۔ اس کے کچھ دن بعد ابوسعید نے امیر چوپان مقتول کی بیٹی بغداد خاتون سے اسے اس کے پہلے شوہر امیر شیخ حسن سے زبردستی طلاق دلوا کر خود نکاح کر لیا۔ لہذا جب اگلے سال ملک غیاث الدین کرت ابوسعید کے دربار میں پہنچا تو چونکہ اس کی محبوبہ بغداد خاتون کا دل باپ کے قاتل کی جانب سے متنفر تھا، لہذا اس کی وہاں کوئی عزت نہیں ہوئی اور وہ ہرات لوٹ آیا، جہاں اس نے ۷۲۹ھ میں وفات پائی۔

ملک غیاث الدین بڑا دیندار اور علم دوست تھا۔ اس نے ۷۲۱ھ میں خود حج بیت اللہ شریف کا مقدس فریضہ ادا کیا۔ اس کی دین پروری اور علم دوستی کے بارے میں صاحب "روضۃ الصفا" نے لکھا ہے:

"در ترویج شریعت غرا کوشیدہ بتعمیر بقاع خیر امر فرمودہ و بجہت علما و فضلا ادرارات تعیین نمودہ اوقات شریف را بطاعت و عبادت مصروف گردانید۔" (روضۃ الصفا، جلد چہارم، ص ۲۲۵)

اس نے جامع مسجد ہرات کی بھی مرمت کرائی۔ اس کے علاوہ مسجد کے شمال میں مدرسہ غیاثیہ تعمیر کرایا۔ صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"ملک غیاث الدین محمد در ایام دولت خود مسجد جامع ہرات را کہ فی الواقع جامع فیوض و برکات است و

روئے بویرانی آوردہ بود، تجدید عمارت فرمود ..... و ایضاً مدرسہ غیاثیہ کہ در شمال مسجد مذکوراست بنا کردہ معارہمت آں پادشاہ را فرمکرمت است۔" (حبیب السیر، جلد سوم، جزو دوم، ص ۴۷)

غیاث الدین کے عہد کے افاضل علماء و مشائخ میں امیر حسینی کا نام خصوصیت سے قابل ذکر ہے کیونکہ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین الوالفتح کے مرید و تربیت یافتہ تھے، اور اکثر و بیشتر ہرات ان کے حلقۂ ارادت میں داخل تھا۔ ۷۱۷ھ (یا بقول فصیحی ۷۱۸ھ) میں وفات پائی۔ کثیر التصانیف مصنف تھے۔ ان کے بارے میں صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"امیر حسینی قدس سرہٗ معاصر ملک غیاث الدین بود، .... درعلوم ظاہری و باطنی نظر داشت ..... با جماعتے از جوالقیان بملتان رفت۔ .... شیخ رکن الدین آنجناب را از ایشاں جدا ساختہ تربیت فرمود، تا بدرجات عالیہ رسید۔ پس بجانب ہرات رواں گردانید .... باندک زمانے بسیارے از ہر دیار مرید و معتقدش شدند و آنجناب را مصنفات منظوم و منثور موفوراست۔ کنز الرموز و زاد المسافرین از جملہ منظومات اوست و نزہۃ الارواح و روح الارواح و صراط المستقیم از جملہ منثورات اوست۔" (حبیب السیر، جلد سوم، جزو دوم ص ۴۷)

اسی طرح فصیحی نے "مجمل" کے اندر ۷۱۸ھ کے واقعات میں لکھا ہے:

"وفات مرتضیٰ اعظم و شیخ الاسلام المعظم قدوۃ المسترشدین امیر سید عالم الحسینی قدس اللہ سرہ بہرات در شانزدہم شوال مدفوناً بمصرخ در مشرق قبۂ سادات و اورا در تصوف شانے عظیم است و او مرید شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی است و او را در تصوف مصنفات است۔" (مجمل فصیحی ص ۲۷)

ملک غیاث الدین ہی کے عہد حکومت میں ۷۱۲ھ یا بقول صاحب حبیب السیر ۷۲۲ھ میں امیر سید شریف کے حریف علامہ سعد الدین مسعود تفتازانی کی ولادت ہوئی، جن سے میر سید شریف کے تیمور کے دربار میں مناظرے ہوئے۔

ملک غیاث الدین کے بعد اس کا بیٹا ملک شمس الدین کے نام سے اس کا جانشین ہوا۔ شاعروں نے اس کی تخت نشینی کی تاریخ "خلد ملکہ" سے نکالی، چنانچہ مولانا جمال الدین بن حسام ہروانی نے اس کے جلوس کے موقعہ پر جو قطعۂ تہنیت لکھا تھا، اس میں کہا تھا۔

اضاءت بشمس الدین کوت زماننا واجری فی مجری المواد ات فلکہ
ومن عجب تاریخ مبدء ملکہ یوافق قول الناس "خلد ملکہ"

مگر وہ شرب مدام میں مبتلا تھا۔ دس ماہ کی مدت حکومت میں دس دن بھی ہوش میں نہیں رہا۔ اُس کے بعد اس کا بھائی ملک حافظ تخت حکومت پر بیٹھا۔ مگر غوریوں کا تسلط بڑھ گیا، جو چاہتے تھے خود کرتے تھے۔ ان کی چیرہ دستی یہاں تک بڑھ گئی تھی کہ انھوں نے ۷۳۲ھ میں خود ملک حافظ کو قتل کر دیا۔

اب ملک غیاث الدین کا تیسرا بیٹا ملک معز الدین کرت تخت نشین ہوا۔ وہ اس خاندان کا گل سرسبد ہے۔ دین پروری اور علم و فضل کی سرپرستی میں وہ اپنی آپ ہی مثال تھا۔ چنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"ملک حسین خلاصۂ دودمان ملوک ہرات بود و نقاوۂ سلاطین فرخندہ صفات۔ بصفت نصفت و رعیت نوازی موصوف و بوفور جلادت و سرافرازی معروف۔ بتقویت ارکان شریعت غرا بغایت راغب و مایل و ہمگی ہمتش مقصود بر تربیت مشائخ و افاضل ..... با وجود صغرسن برائے پیر و بخت جوان، مزاج غوریہ را کہ از جادۂ مستقیمہ اطاعت انحراف یافتہ بود، بحال اعتدال باز آورد۔" (حبیب السیر، جلد دوم، جزو سوم، ص ۷۵)

قوانین شریعہ کے نفاذ میں اس نے مولانا نظام الدین کو مختار کل بنا دیا جنھوں نے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اجرا میں سر اور دھڑ کی صحیح معنوں میں بازی لگا دی۔ صاحب "روضۃ الصفا" نے ملک معز الدین حسین کی شریعت نوازی کے بارے میں لکھا ہے:

"در رونق و رواج شریعت غرا کوشیدہ دست اعتصام بحبل ائمہ دین و سالکان طریق یقین زد۔ و دراں ایام امام فاضل متورع مولانا نظام الدین علیہ الرحمہ در امر معروف و نہی از منکر مبالغہ تمام می نمود و سالار کہ صاحب اختیار مملکت بود، در تقویت و تمشیت جناب مولوی مساعی جمیلہ بجائے می آورد و ملک حسین نیز از صوابدید مولانا مشار الیہ تجاوز جائز نمی داشت بواسطہ ضبط و سیاست ملک و الحاح او در تنظیم امور و قواعد شریعت و ترفہ حال سپاہی و رعیت بارگاہ کیواں اساسش ملجا رصغار و کبار گشت۔" (روضۃ الصفا، جلد چہارم، ص ۲۲۵)

چنانچہ ۷۳۶ھ میں امیر ابو سعید کے انتقال کے بعد جب عراق و خراسان میں ہرج و مرج کا دور دورہ شروع ہوا تو وہاں کے اشراف داعیان تلاش امن و عافیت میں ہرات ہی چلے آئے۔ ابو سعید کی وفات کے بعد ایلخانی اقتدار ختم ہو گیا اور ملک معز الدین کرت نے بھی اگرچہ ایلخانی دربار سے تعلقات تو نہیں بگاڑے، مگر اس کی بالادستی کو ختم کر دیا اور مستقل طور سے اپنے نام کا خطبہ پڑھوانا شروع کیا۔

ملک معز الدین نے غوری سرداروں کی چیرہ دستی پر تو قابو پا لیا تھا، مگر ترکان غز کا زور ابھی نہیں ٹوٹا تھا

چنانچہ ان کی ایک کثیر تعداد جو شہر بادغیس میں آباد تھی، احکام شریعت کی قطعاً پروانہ کرتی تھی اور من مانے ظلم وستم کرتی تھی۔ چنانچہ صاحب "حبیب السیر" نے لکھا ہے:

"در اوائل ایام دولت ملک معزالدین حسین کرت جمع کثیر از اتراک غز و دیگر احشام ترک در بادغیس اقامت داشتند و از رعایت احکام شریعت گردن پیچیدہ نقش ارتکاب ظلم و ضلال را بر لوح خاطر می نگاشتند۔"

(حبیب السیر: جلد سوم، جزو دوم، ص ۷۷)

ادھر مولانا نظام الدین کے مزاج میں اتنا تعصب و تشدد تھا کہ انھوں نے عام فقہائے احناف کے خلاف ایمان کو "تصدیق" کے بجائے "تسلیم" کا مترادف قرار دیا تھا اور اسی لیے انھیں ہرات میں "پیر تسلیم" کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ "حبیب السیر" میں مرقوم ہے:

"مولانا نظام الدین ایمان را کہ علماء متقدمین و متاخرین بتصدیق تفسیر کردہ اند بتسلیم تعبیر نمود و بدین سبب او را در ہرات پیر تسلیم گویند۔ و دراں باب میان مولانا و خاوند صدر الشریعۃ بخاری معارضات بوقوع پیوست۔" (ایضاً ص ۷۷)

اس تشدد فی الدین کے نتیجے میں مولانا نظام الدین نے ان بدکار ترکوں کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا۔ ترک سردار ناراض ہو گئے اور انھوں نے مجتمع ہو کر بغاوت کر دی۔ ملک معزالدین ابھی اپنی طاقت جمع نہ کر سکا تھا۔ اس لیے قلعہ بند ہو گیا۔ ترکوں نے کہلا بھیجا کہ ہمیں صرف اس شخص سے پرخاش ہے جس نے ہماری تکفیر کی ہے۔ اگر باشندگان ہرات اپنے جان و مال کو بچانے کے خواہاں ہیں تو اس شخص کو ہمارے سپرد کر دیں۔ آخر کار مولانا نظام الدین غسل کر کے اور جامہ پاک پہن کر باہر نکلے۔ ظالم ترکوں نے آپ کو پکڑ کر گرزگراں سے قتل کر ڈالا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

معزالدین کرت کے عہد کے دوسرے علما میں خواجہ قطب الدین یحییٰ اور قاضی جلال الدین محمود امامی مشائخ میں امیر نصر اللہ سجانی اور خواجہ معین الدین محمد جامی اور شعرا میں ابن یمین اور امامی ہروی مشہور ہیں۔ لیکن ان عباقرۂ عہد کے واسطۃ العقد میر سید شریف کے مستقبل کے حریف علامہ سعد الدین تفتازانی تھے، جن کا بیشتر وقت ہرات میں گزرا اور جنھوں نے "تلخیص المفتاح" کی شرح "المطول فی البلاغۃ" کے نام سے لکھ کر ۷۴۷ھ میں ملک معزالدین حسین کرت کے نام معنون کیا۔

ملک معزالدین نے، جس دن قبۃ الاسلام بلخ میں تیمور کی تاجپوشی ہوئی (۷۷۱ھ) داعی اجل کو لبیک کہا۔ اس کے مرنے پر اس کی وصیت کے مطابق اس کا بڑا بیٹا غیاث الدین پیر علی ہرات میں اس کا جانشین

ہوا اور چھوٹے بیٹے پیر محمد کو سرخس کی حکومت ملی ۔ کچھ دن بعد درانداز وں کی سعایت سے دونوں بھائیوں میں لڑائی چھڑ گئی ۔ مگر بعد میں صلح ہو گئی ۔ اسی زمانہ میں خواجہ علی موید نے سبزوار میں رفض و تشیع کو رواج دینا شروع کیا ۔ فقہا نے اس بڑھتی ہوئی بدعت کے استیصال کے لیے فتویٰ دیا ۔ لہٰذا پیر علی نے بار بار نیشاپور پر حملہ کیا اور آخر کار ۷۷۲ھ میں اسے فتح کر لیا ۔ اگلے سال تیمور کا ایلچی آیا ۔ قدیم روش مودت و اخلاص کی تجدید ہوئی حتیٰ کہ پیر علی کے بیٹے پیر محمد کی شادی بھی تیمور کی بھانجی کے ساتھ ہو گئی ۔ مگر یہ "مبانی خلوص و وداد" کی تجدید محض اگلے اقدام کا پیش خیمہ تھی، کیونکہ تیمور نے ۷۸۳ھ میں ہرات پر پہلا حملہ کر دیا ۔ اس مرتبہ تو وہ ہرات کو پیر علی ہی کے قبضہ میں چھوڑ کر چلا گیا ۔ مگر اگلے سال اس پردہ کو بھی اٹھا دیا اور کچھ دن بعد اس نام نہاد والی ہرات (پیر علی) کو مع اعزہ و اقارب و اعوان و انصار سمرقند لے گیا، جہاں ۷۸۵ھ میں قتل کر دیا ۔

(باقی)

چند معاشی مسائل اور اسلام

از سید یعقوب شاہ

اس کتاب کے مصنف مالیات کے بھی ماہر ہیں اور دینی علوم سے بھی شغف رکھتے ہیں ۔ اپنی اس تصنیف میں انھوں نے ربٰو، زکوٰۃ اور بیمہ جیسے زندہ اور اہم معاشی مسائل پر اظہار خیال کیا ہے اور کتاب و سنت، تاریخ، عمرانیات اور اقتصادیات کا غائر مطالعہ کرنے کے بعد اپنے نتائج فکر شستہ اور سلیس انداز میں قلم بند کیے ہیں ۔

قیمت عام ایڈیشن ۵ روپے عمدہ ایڈیشن ۶/۵۰ روپے

ملنے کا پتہ

سکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور